رفعِ شبہات

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفعِ شبہات

جماعت اسلامی کی تشکیل کے چند ہی روز بعد ملک کے دو تین مسلمان بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے بانی تحریک کے نام اپنے ایک مکتوب میں کچھ شبہات کا اظہار کیا تھا۔ اس کا جو جواب بانیِ تحریک نے دیا تھا وہ ستمبر۔ اکتوبر۔ نومبر ۱۹۴۱ء کے ترجمان القرآن کے مشترکہ نمبر میں رفعِ شبہات کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس جواب میں بانیِ تحریک کا وہ ذہن پوری طرح کھل کر آگیا ہے۔ جس نے جماعتِ اسلامی کی بنیاد ڈالی۔ ضرورت ہے کہ وہ بنیادی باتیں اور وہ امتیازی خصوصیات جنھوں نے اِس تحریک کو اُبھارا اور چلایا ایک بار اور بانیِ تحریک ہی کے قلم سے لوگوں کے سامنے آجائیں۔

صاحبِ مکتوب بزرگ نے اپنے مکتوب کو شائع کرنے کی اجازت نہیں دی تھی اس لیے جواب کے ساتھ ترجمان القرآن میں وہ شائع نہیں ہوا۔ لیکن جواب ہی سے ان شبہات کی نوعیت واضح ہو جاتی ہے جو اس مکتوب میں کیے گئے تھے۔

مولانا المکرم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‚

آپ نے جن شبہات کا ذکر فرمایا ہے انھیں دیکھ کر مجھے شبہہ ہوتا ہے کہ شاید آپ کی نظر سے میری وہ تحریریں نہیں گذریں جو ماضی قریب میں نکلتی رہی ہیں۔ اسی وجہ سے وہ شبہات

آپ کے قلبِ مبارک میں پیدا ہو گئے ہیں جو دوسروں کی زبان سے میرے خیالات کی ترجمانی سُنکر اکثر بزرگوں کے دلوں میں پیدا ہو رہے ہیں۔ آپ جیسے عدیم الفرصت حضرات سے میرا یہ مطالبہ غالباً بے جا ہو گا کہ آپ میری ان تحریروں کو بالاستیعاب ملاحظہ فرمائیں مگر یہ گوارا کرنا بھی میرے لیے مشکل ہے کہ لوگوں کی غلط ترجمانی کی بدولت وہ چند صالح و برگزیدہ اصحاب بھی مجھ سے بدگمان ہو جائیں جن کی دعاؤں کے ساتھ جن کی عملی تائید و اعانت کا بھی میں محتاج ہوں۔ لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مختصراً اپنے خیالات کی ترجمانی میں خود ہی کروں اور پھر آپ سے دریافت کروں کہ اب کس شبہہ کی گنجائش رہتی ہے۔

۱۔ میرے نزدیک یہ ایسا وقت دنیا پر آیا ہے۔ جب کہ ایک دور ختم ہوتا ہے اور دوسرے دور کی بنیاد پڑتی ہے۔ مغربی تہذیب اور اس کی اساس پر کام کرنے والوں کو جتنا موقع مشیتِ الٰہی کے تحت مِل سکتا تھا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پورا ہو چکا ہے یا پورا ہونے کے قریب آ لگا ہے۔ اب یہ سارا نظام درہم برہم ہونا شروع ہو گیا ہے اور ایک دوسرا نظام بننے سے پہلے جو اضطرابی کیفیات لازماً طاری ہوا کرتی ہیں اُن کا آغاز ہو چکا ہے اگرچہ اقامت دینِ حق کی کوشش ہر زمانے میں اہل ایمان پر فرض ہے مگر خصوصیت کے ساتھ ایسے وقت میں جبکہ دنیا حاضر الوقت نظامات سے تلخ تجربات کی بنا پر مایوس ہوتی جا رہی ہے اور کسی دوسرے نظام کے قائم ہونے کے لیے زمین ہموار ہو رہی ہے۔ دینِ حق کے قیام کی کوشش کرنا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ جو مواقع اس وقت پیدا ہو گئے ہیں، اگر ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ہم نے نہ کی تو ہم سے سخت باز پُرس ہو گی۔

۲۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ مشرق سے مغرب تک مسلمان بالعموم محض وقتی اور مقامی مسائل اور چھوٹے چھوٹے معاملات میں الجھے ہوئے ہیں اور دنیا کے

وسیع میدان میں ادیانِ باطلہ کے تصادم سے دینِ حق کے قیام کا جو موقع نکل آیا ہے، اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ ہر جگہ ان کے چھوٹے اور بڑے گروہ یا تو اپنے اپنے ملکی اور قومی معاملات سلجھانے میں لگے ہوئے ہیں، یا اگر کچھ مذہبی فکر ہے بھی تو وہ اس سے زیادہ نہیں کہ کسی دینِ باطل کے ظلِّ عاطفت میں اُن کو کچھ مذہبی حقوق حاصل ہو جائیں۔ دنیا میں اِس بات پر کشمکش برپا ہے کہ ملک کس کا ہے اور دین کس کا چلے۔ ہر طرف سے مختلف مدّعی دعوے لے کر اٹھ رہے ہیں کہ ملک ہمارا ہے اور دین ہمارا چلنا چاہیے۔ مگر روئے زمین کے ایک کنارے سے لیکر دوسرے کنارے تک کوئی یہ دعویٰ لیکر اٹھنے والا نظر نہیں آتا کہ ملک سوائے خدا کے اور کسی کا نہیں ہے اور صرف خدا ہی کے دین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ زمین پر اس کا سکہ رواں ہو۔ دنیا میں ہر دعوے کے لیے مارنے والے بھی موجود ہیں اور مرنے والے بھی۔ ہر مقصد کے لیے چوٹیں کھانے اور نقصان اٹھانے والے پائے جاتے ہیں مگر خدا کی زمین پر کوئی نہیں جو خدا کی حاکمیت کے دعوے پر مارنے یا مرنے والا ہو اور خدا کے دین کو چلانے کے لیے چوٹ کھانے اور نقصان اٹھانے پر آمادہ ہو۔

۴۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اقامتِ دینِ حق کی کوشش کرنے کے لیے اگر کوئی گروہ اُٹھ سکتا ہے تو اُنہی لوگوں میں سے اٹھ سکتا ہے جو آپ کے بقول "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے علم کی تصحیح کا ذریعہ بنانے اور مرضی الٰہی کا نمائندہ قرار دینے والے ہیں"۔ لیکن اس کارِ عظیم کے لیے محض اس چیز کا اعتقاد یا صرف اپنے ذاتی عمل کی حد تک ہی اس کی پیروی کافی نہیں ہے یہ کام ایک ایسی جماعت چاہتا ہے جو اس معاملہ میں اتنی پرزور ہو، اتنی شدید ہو کہ دوسروں کو بھی اس عقیدے اور عمل کی طرف کھینچ کر لا سکے اور اس داعیہ کے ساتھ اُٹھ سکے کہ وہ دُنیا کے برہم ہونے والے نظام کو کسی دوسری اساس پر قائم نہ ہونے دے گی بلکہ اپنے یقین و ایمان

اور اپنے عمل و جہاد کی طاقت سے اسے دینِ حق کی اساس پر قائم ہونے کے لیے مجبور کر دے گی۔

۴۔ ایسی جماعت کی فراہمی دو ہی صورتوں سے ممکن ہے یا وہ ان مسلمانوں میں سے آئے گی جو پہلے سے مذکورہ بالا اُمور کا اعتقاد رکھتے ہوں۔ یا اُن لوگوں میں سے آئے گی جو اب اس اعتقاد کو قبول کریں۔ لیکن عملاً دوسرے گروہ میں سے بھرتی ہونا اس وقت تک مشکل ہے جب تک کہ پہلے گروہ میں سے ایک معتد بہ جماعت ایسی پیدا نہ ہو جائے جو مجرد اس عقیدے، یا اس کے مطابق ذاتی عمل پر اکتفا کرنے والی نہ ہو بلکہ اسی عقیدے کو پھیلانے اور اسی پر دنیا کا نظام قائم کرنے کے لیے مجاہدے پر آمادہ ہو جائے۔ اس لیے میں نے غیر مسلموں سے پہلے مسلمانوں سے خطاب کیا ہے۔

۵۔ عام مسلمانوں کے متعلق میرا بھی وہی خیال ہے جو آپ کا ہے۔ میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی مرضی کا نمائندہ اسی طریقے سے مانتے ہیں جیسے ایک مومن کو ماننا چاہیئے۔ لیکن جب میں اقامت دین کے مقصد کو سامنے رکھ کر ان مسلمانوں پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جس مرتبے کے ایمان اور یقین اور جس مرتبے کے عمل پر یہ اکتفا کیے ہوئے ہیں وہ اس مقصد کے لیے کافی نہیں ہے۔ علاوہ بریں انہی مسلمانوں میں آخر وہ لوگ بھی تو ملے جلے موجود ہیں جو مبادی دین تک سے ناواقف اور مسلمان ہونے کے باوجود بدترین اعتقادی و عملی گمراہیوں میں صرف مبتلا ہی نہیں بلکہ ان پر اس قدر جمے ہوئے ہیں کہ انھیں راہِ راست پر لانا کسی غیر مسلم کو مسلمان بنانے سے کچھ کم مشکل نہیں ہے۔ ان میں وہ بھی تو ہیں جو اعتقاداً مسلمان ہونے کے باوجود ہوائے نفس کو اپنا الٰہ بنائے ہوئے ہیں اور اس معیار ردّ و قبول، ترک و اختیار، پسندیدگی و ناپسندیدگی کو اپنانے کے لیے ہرگز

تیار نہیں ہیں جو محمد رسول اللہ نے پیش کیا ہے ۔ محمد رسول اللہ کے نزدیک جو قابل قدر ہے وہ ان کے نزدیک ناقابل قدر ہے اور جسے حضور منکر اور مردود قرار دیتے ہیں وہی ان کی نگاہ میں معروف اور مقبول، بلکہ عین مطلوب ہے ۔ ان میں وہ بھی تو ہیں جو اسلام کے عقیدت مند بھی بنتے ہیں اور پھر شریعت اسلام کے نفاذ کو نہ صرف غیر ممکن سمجھتے ہیں بلکہ رائے یہ رکھتے ہیں کہ چوری پر قطع ید اور زنا پر تازیانہ ورجم اور سود کی تحریم اور اسی قسم کے قوانین موجودہ زمانے کے لیے موزوں نہیں ہیں ۔ ان میں وہ بھی تو ہیں جو مجملاً اسلام کو حق مانتے اور کہتے ہیں ۔ مگر الٰہیات، اخلاق، تمدن، سیاست، معیشت، ہر چیز کی تفصیلات میں عقیدہ اور مسلک دونوں کے اعتبار سے غیر اسلامی نظریات ہی کے پیرو ہیں ۔ ان میں وہ بھی تو ہیں جو خدا اور رسالت اور آخرت کا یقین نہیں رکھتے بلکہ شک او رتذبذب میں مبتلا ہیں ۔ وہ بھی ہیں جو خدا اور رسول اور فرشتوں اور جنّت و دوزخ سب کے منکر ہیں اور صرف منکر ہی نہیں بلکہ ان عقائد کا اور روزہ و نماز کا استہزاء کرنے سے بھی باز نہیں آتے ۔ وہ بھی ہیں جو تمام ضروریات دین کا اقرار کرتے ہیں اور ارکان کے پابند بھی ہیں مگر دنیا کی طمع سے اس درجہ مغلوب ہیں کہ متاعِ قلیل کے معاوضے میں دین کے خلاف جو خدمت بھی اُن سے لی جائے اور جس غداری اور ایمان فروشی کا ان سے مطالبہ کیا جائے طوعاً یا کرہاً اُسے بجالانے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں وہ بھی ہیں جو دین کے منکر تو نہیں ہیں مگر مقر بھی نہیں ہیں انھیں اس سے کچھ بحث ہی نہیں ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے ۔ اُن کا غایت مقصود بس یہ ہے کہ اپنے نفس و بدن کے مطالبات پورے کریں اور اس فکر میں ایسے منہمک ہیں کہ ہر دوسری چیز سے غافل ہو چکے ہیں ۔

..... تمام اقسام کے لوگ عام مسلمانوں میں شامل ہیں ۔ اور کچھ اس طرح خلط ملط ہو گئے ہیں کہ اس مجموعے کے اندر یہ تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ کون کس قسم کا مسلمان ہے ۔

۶۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اقامتِ دین کے لیے کوشش کرنی ہے تو اس پورے مجموعے کو وہ "بنی بنائی اسلامی جماعت" قرار نہیں دیا جا سکتا جسے لیکر مجاہدہ شروع کر دیا جائے قومی اغراض کی خدمت کرنے والی جماعتوں کے لیے تو یہ ضرور ممکن ہے کہ ایک پروگرام سامنے رکھیں اور تمام مسلمانوں کو پکار دیں کہ آؤ چار چار آنے یا دو دو آنے فیس دے کر رکنیت کے فارم بھر دو اور "ملت" کی فوج میں بھرتی ہو جاؤ۔ وہ ہر قسم کے رطب و یابس جمع کر سکتی ہیں اور ان کا کام اس طرح چل بھی سکتا ہے۔ لیکن ہم جس مقصد کے لیے ایک جماعت کی تنظیم کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے یہ اجتماع شتر گربہ کسی طرح مفید نہیں ہو سکتا بلکہ یقیناً سخت نقصان دہ ہوگا۔ لا محالہ ہمیں مسلمانوں کے اس مخلوط انبوہ میں سے صرف صالح لوگوں کو الگ چھانٹ کر منظم کرنا پڑے گا۔ اور صالحین کو چھانٹنے کی کوئی صورت بجز اس کے نہیں ہے کہ اسلام کے خالص عقیدے اور حکومتِ الٰہیہ کے نصب العین اور شریعت کے اخلاقی و قانونی ضوابط کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے اور ان میں سے جو لوگ اس عقیدے کا اقرار اور ان ضوابط کی پابندی قبول کریں اور اس نصب العین کو اپنی زندگی کا نصب العین بنانے کے لیے تیار ہوں صرف انہی کو جماعت میں لیا جائے۔ میں ایک مدت دراز تک شب و روز اس بات پر غور کرتا رہا ہوں کہ مختلف النوع "مسلمانوں" کا یہ مخلوط جو بدقسمتی سے بن گیا ہے اس میں حقیقی مسلمانوں کو کس طرح چھانٹا جائے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سوچ سوچ کر تھک جانے کے باوجود مجھے اس تدبیر کے سوا کوئی دوسری تدبیر نظر نہیں آئی۔ اگر آپ یا کوئی دوسرے بزرگ کوئی اور طریقہ بتا سکیں تو ضرور بتائیں۔

۷۔ میرا اصل مدعا اقامت دین کی جدوجہد کے لیے صالح آدمی چھانٹنا ہے نہ کہ مسلمانوں کے کفر و ایمان کی بحث چھیڑنا۔ مسلمانوں کی موجودہ ایمانی و اخلاقی حالت پر

جو تنقیدیں میں نے کی ہیں اُن سے بھی میرا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ دعوت الی اللہ کے مقصد عظیم کا اعتبار کرتے ہوئے مسلمانوں میں اس وقت کیا کیا کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔ اور یہ کہ اس کارِ خیر کے لیے مسلمانوں کے اس مجموعے میں سے کس قسم کے لوگ مناسب اور مطلوب ہیں۔ جماعت اسلامی کے دستور میں تنہا دتین کو شرط رکنیت قرار دینے کی غرض بھی صرف یہ ہے کہ جو لوگ اس کام کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں ان کے متعلق یہ اطمینان کر لیا جائے کہ وہ صالح العقیدہ ہیں اور جاہلیت کی ان آمیزشوں کو لیے ہوئے نہیں آرہے ہیں جو بدقسمتی سے مسلمانوں کے اندر گھس آئی ہیں۔ نیز یہ کہ دعوت الی اللہ کی خدمت شروع کرنے سے پہلے وہ ایک مرتبہ پھر اللہ کے ساتھ اپنے عہد و میثاق کو استوار کرلیں اور نو مسلمانہ جوش کے ساتھ کام کے لیے آگے بڑھیں[1]۔

---

[1] بعض لوگ شرکت جماعت کے لیے تجدید ایمان کی شرط پر بہت زیادہ ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ علماء اور مشائخ اور معروف و مشہور اہل ایمان کے لیے اس شرط پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اگر بعض مسلمانوں سے تجدید ایمان کرائی جائے اور بعض سے نہ کرائی جاتے تو جن لوگوں سے کرائی جائے گی وہ یہ نہ کہیں گے کہ کیا ہم کافر تھے جو اب ہم سے شہادت ادا کرائی جاتی ہے۔ علاوہ بریں اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کے میدان میں قدم رکھتے وقت پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ شہادت توحید و رسالت ادا کرنے میں جو ایک انقلاب انگیز کیفیت ہے اس کی اہمیت کو یہ لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ میرا ذاتی تجربہ ہے اور جماعت اسلامی کے پہلے اجتماع میں جو لوگ شریک ہوتے تھے اُن سب پر یہ گذری ہوئی بات ہے کہ اس طرح کلمۂ شہادت ادا کرتے ہوئے آدمی اس احساس سے لرز اٹھتا ہے کہ وہ کتنی بڑی بات کا اقرار کر رہا ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میرے اس مقصد کو لوگوں نے نہیں سمجھا اور بعض ہوشیار لوگوں نے قصداً بھی اس کے متعلق کچھ غلط فہمیاں پھیلائیں۔ اس وجہ سے جن بزرگوں کو میری تحریروں کے تفصیلی مطالعہ کا موقع نہیں ملا ہے اور میری بات دوسروں کی تحریفات کے واسطے سے پہنچی ہے۔ انہیں یہ غلط فہمی ہوگئی کہ میں "مسلمانوں کو ایمان و یقین سے خالی قرار دے رہا ہوں اور اُن کو دین کے دائرے سے باہر دھکیل کر پھر اُن کو اندر آنے کی دعوت" دیتا ہوں۔ اور یہ کہ "جس توپ خانہ کا دہانہ کفر کی طرف کھولا گیا تھا اسے اہل ایمان پر کھولنا" چاہتا ہوں۔ اللہ شاہد ہے کہ میں ان سب باتوں سے بری ہوں۔

۸۔ میرے نزدیک اقامت دین کی جدوجہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جو جماعت یہ مقصد لیکر اُٹھے وہ لوگوں کو صرف اللہ کے راستے کی طرف بلائے۔ اس دعوت کے ساتھ اپنے دنیوی مقاصد اور سیاسی و معاشی حقوق اور ذاتی یا قومی مفادات کی بحث کو خلط ملط نہ کردے۔ اگر ہم دعوت الی اللہ کے ساتھ یہ آوازیں بھی بلند کریں گے تو ہماری دعوت کا قطعاً کوئی اثر نہ ہوگا۔ خصوصاً اگر ہم نے محض قومی عصبیّت کی بنا پر مسلمانوں کے ان کاموں کی حمایت کی

(بچھلے صفحہ کا باقی حاشیہ) اس وقت وہ اس قول ثقیل کا پورا بوجھ محسوس کرتا ہے اور ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سے لوگوں کی زندگی میں اس اقرار کے ساتھ ایک انقلاب شروع ہوگیا ہے۔ مگر افسوس کہ فقیہانہ و متکلمانہ موشگافیوں کی عادت نے لوگوں کو ان لطیف کیفیات کے ادراک سے محروم کردیا ہے۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم ان لوگوں کو یہی سوچنا چاہیئے کہ جب نماز میں روزانہ بیس دفعہ اور اذان میں روزانہ پانچ دفعہ یہ شہادتیں ادا کرتے تو اپنی زندگی کا ایک نیا دور شروع کرتے ہوئے بھی یہ اقرار کر لینے میں آخر کیا قباحت ہے۔ کیا اللہ کی توحید اور اس کے نبی کی رسالت پر چند مسلمانوں کے سامنے گواہی دینا کیا ایسا بُرا فعل ہے کہ اس سے ان کی توہین ہوجاتی ہے۔؟

جو اسلام کی راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں تو یقیناً ہماری یہ حرکت دنیا کو اسلام سے قریب لانے کے بجائے اور زیادہ دور پھینک دے گی۔ اس لیے میں مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اگر تم کو وہ کام کرنا ہے جس کے لیے تم ایک امت بنائے گئے ہو۔ (کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔الآیۃ) تو تمام ذاتی اور قومی مفادات سے بے پرواہ ہو کر لوگوں کو صرف اللہ کے راستے کی طرف بلاؤ۔ اور اگر تم اپنے مفادات سے قطع نظر نہیں کر سکتے اور انہی کے لیے جدوجہد کرنا چاہتے ہو تو پھر اس غلط فہمی کو اپنے دل سے نکال دو کہ ان کاموں کے ساتھ تم دعوت الی اللہ کا کام بھی کر سکو گے۔ یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ نہیں نبھ سکتیں۔ ایک کو اختیار کرنے کے لیے دوسرے کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔ میرے اس مشورے پر یہ خطرہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس طرح تو جو کچھ مسلمانوں کے پاس رہا سہا ہے وہ بھی جاتا رہے گا۔ مگر میں پورے اطمینان قلب کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ خدا کی طرف بلانے والے گروہ کو اس سے بالکل بے نیاز ہو کر کام کرنا چاہیئے کہ اس کے پاس کیا رہے گا اور کیا اس کے پاس سے چلا جائے گا۔ یہ دعوت صرف وہی لوگ دے سکتے ہیں جو فکرِ مآل سے بالاتر ہو کر کام کریں اور ایک خدا کو پانے کے لیے سب کچھ کھو دینے پر آمادہ ہو جائیں مجھے یقین ہے کہ اگر مسلمان اس طرح سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر خالصتہً لوجہ اللہ کام کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو خواہ ابتداءً سب کچھ ان کے ہاتھوں سے نکل جائے، مگر آخر کار وہ سب کچھ ان کے قدموں میں آ رہے گا جس کو یہ کھوئیں گے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ کچھ انہیں حاصل ہوگا جس کے حصول کا خواب بھی یہ آج نہیں دیکھ سکتے۔ جو گروہ صرف اللہ کے لیے کام کرے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں سے نظر ہٹا کر اپنی نگاہ بلند ترین نصب العین پر جما دے۔ بھلا اس کے مقابلے میں دنیا کی کوئی طاقت ٹھیر سکتی ہے؟ مگر افسوس کہ مسلمانوں کے حوصلے اس اولوالعزمی کے لیے تنگ ہیں ان کو اور سب تدبیروں میں تو امید کی شعاعیں جھلکتی نظر آتی ہیں مگر اس کام میں وہ موت اور

ہلاکت کے سوا کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ راہ اختیار کی اور ساری تباہیاں اور بربادیاں ان پر یکبارگی حملہ کر دیں گی اور وہ دنیا میں کہیں کے نہ رہیں گے۔ رہی آخرت تو اس کی فکر ہی کسے ہے۔

یہ وہ جرم ہے جس کی بنا پر مجھے الزام دیا جا رہا ہے کہ تو مسلمانوں کے مفاد کا دشمن ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو کچھ رہا سہا ہے وہ بھی چلا جائے۔

۹۔ اصولاً دعوت الی اللہ کے کام کی آج بھی وہی نوعیت ہے جو پہلے تھی۔ یعنی غیر اللہ کی ربوبیت و حاکمیت تسلیم کرنے سے علی الاعلان انکار اور صرف رب العالمین کی ربوبیت و حاکمیت تسلیم کرنے کی طرف دعوتِ عام۔ یہی ہم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ستیاگرہی نہیں ہیں۔ جیل جانا ہمارا پروگرام نہیں ہے۔ ہمارا یہ مقصد نہیں کہ خواہ مخواہ ہم پکڑے ہی جائیں، پیٹے ہی جائیں، ریت پر گھسیٹے ہی جائیں۔ اگر کوئی ہماری اس دعوت کو قبول کر لے تو چشم ما روشن دل ما شاد لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ اس چیز کو ٹھنڈے پیٹوں کبھی گوارا نہیں کیا گیا ہے اور نہ آج گوارا کیا جائے گا۔ جب مسلمان ہی یہ آواز سُنکر بگڑ کھڑے ہوتے ہیں تو دوسروں سے ہم کیونکر توقع کر سکتے ہیں کہ وہ اسے برداشت کر لیں گے۔ اس لیے ہمیں یقین ہے کہ اس دعوت کے بلند کرنے پر آج بھی وہی کچھ پیش آ کر رہے گا جو کل مکہ میں پیش آیا تھا۔ اسی مشابہت کی بنا پر ہم نے اپنے موجودہ حال کو زمانۂ قبل ہجرت سے تشبیہ دی ہے۔ مگر آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ جب تم اسے مکی زندگی کہتے ہو تو پھر تمام حیثیات سے وہی پروگرام رکھو جو مکہ میں تھا اور مدنیت کو اپنے پروگرام سے خارج کر دو۔" یہ رائے اس لیے غیر صحیح ہے کہ مکہ میں تو سب کفار ہی کفار تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل ابتدا سے دعوت کا آغاز فرمایا تھا اور جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے تھے ان پر رفتہ رفتہ تکالیف شرعیہ عائد کی جاتی تھیں۔ لیکن یہاں سارے کے سارے کفار ہی نہیں ہیں بلکہ مسلمان بھی موجود ہیں۔ اسلام بتدریج نازل نہیں

ہو رہا ہے۔ بلکہ پورا کا پورا آچکا ہے اور مسلمانوں کے لیے واجب العمل ہے اب یہ ممکن نہیں کہ جو شخص یا گروہ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے اُٹھے وہ خود پورے اسلام پر عمل کرنے کے بجائے اسی قدر تکالیف شرعیہ کا التزام کرے جتنی مکہ معظمہ میں اسلام قبول کرنے والوں پر عائد کی گئی تھیں۔ لہٰذا ہم کو "مکیت" کے ساتھ "مدنیت" کو بھی لے کر چلنا ہوگا۔ غیر مسلموں کو تو ہم پہلے اسی چیز کی طرف دعوت دیں گے جس طرف انہیں مکہ میں بلایا گیا تھا مگر جو مسلمان ہمارے ساتھ دعوت کے اس کام میں شریک ہوں گے اور جو غیر مسلم اسلام قبول کر کے ہمارے ساتھ ملیں گے ان کو تو اس پورے اسلام ہی کا التزام کرنا ہوگا جو قرآن اور سنت میں ملتا ہے۔ اگر دعوت دینے والے خود ہی اسلامی احکام کے ملتزم نہ ہوں تو دوسروں پر ان کی دعوت کا کیا خاک اثر پڑے گا۔

۱۰۔ اسلام کے لیے میں نے بار بار "تحریک" کا جو لفظ استعمال کیا ہے اس کی شکایت مولانا عبدالماجد صاحب نے بھی کی تھی۔ کہ تو دین اور مذہب کی جگہ اسلام کو ایک تحریک بنائے دے رہا ہے جیسی سوشلزم اور فاشزم وغیرہ تحریکیں ہیں جن کے پیش نظر محض ایک دنیاوی مقصد ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ منظم حرکت کرتی ہیں اور مولانا سید سلیمان نے تو میرے اس گناہ کی تاریخ بھی بیان فرمادی ہے۔

ان کی تحقیق یہ ہے کہ متکلمین ہر زمانے میں اسلام کو اسی چیز کے سانچے میں ڈھالتے رہے ہیں جس کا زور انھوں نے اپنے زمانہ میں دیکھا ہے۔ کبھی "نیچر" کا زور تھا تو اسلام کو نیچر بنایا گیا۔ پھر "سویلزیشن" کا زور ہوا تو اسلام کو ایک سویلزیشن ثابت کیا گیا۔ اب فاشزم، سوشلزم وغیرہ تحریکوں کا زور ہے تو اس زمانے کے متکلم (اشارہ اس نیازمند کی طرف ہے) اس دین کو تحریک قرار دیتے رہے ہیں۔ حقیقت میں مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے جب میں ایسے

ایسے عالی مقام لوگوں کو اتنی ہلکی باتیں اس قدر غیر محققانہ طریقے سے لکھتے اور شائع کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

تجدید اور تجدد کا اصولی فرق یہ ہے کہ تجدید ہر زمانے میں انہی حقائق اور انہی صداقتوں کو جو ازل سے چلی آرہی ہیں اپنے زمانے کی زبان میں اپنے زمانے کی ذہنیتوں اور ضروریات کے مطابق مرتب کر کے پیش کرتی ہے اور تجدّد اپنے زمانے کے فتنوں سے متاثر ہو کر ان حقیقتوں اور صداقتوں ہی میں ترمیم کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اگر ان حضرات کے نزدیک میں تجدد کا مجرم ہوں تو براہِ کرم مجھے تعین کے ساتھ بتائیں کہ کہاں میں نے دین کے جوہر میں تغیر کیا ہے۔ کسی جگہ سرمو تغیر بھی وہ بتا دیں اور میں اس سے توبہ نہ کروں تو یقیناً مجھ سے بڑا خاطی و ظالم کوئی نہ ہوگا لیکن اگر ان کی ساری ناراضی صرف اس بات پر ہے کہ میں نے پرانی حقیقتوں کے لیے نئے الفاظ اور نئے طرز بیان اختیار کیے ہیں اور ان کو موجودہ زمانے کی ذہنیتوں اور ضروریات کے مطابق مرتب کر کے پیش کیا ہے تو مجھے بتایا جائے کہ تجدید دین کی کوشش کرنے والوں نے کس زمانے میں یہ جرم نہیں کیا ہے؟ اور کیا خود یہ حضرات معترضین اس کا ارتکاب نہیں کرتے رہے ہیں؟

"تحریک" کا لفظ جس مفہوم کے لیے میں استعمال کرتا ہوں اس کے لیے کوئی دوسرا ایسا لفظ مجھے نہیں ملتا جو آج کل کے عام لوگوں کے ذہن میں اس کی تصویر کھینچ دے۔ "مذہب" ایک مدت سے صرف اس معنے کے لیے مخصوص ہو گیا ہے کہ وہ چند عقائد اور چند عبادتوں اور رسموں کا مجموعہ ہے جن کی پابندی سے آدمی روحانی ترقی یا نجات بعد الموت کا متوقع ہو۔ اسی معنے کے لحاظ سے آج کل کے لوگ کہتے ہیں کہ مذہب ایک انفرادی چیز ہے۔ عابد اور معبود کے درمیان ایک پرائیوٹ تعلق ہے اس کو اجتماعی معاملات اور ملکی انتظام سے کیا تعلق؟ اسلام کے لیے مذہب کے لفظ کا استعمال موجودہ دور کے لوگوں میں یہ غلط فہمی پیدا کرتا ہے کہ یہ بھی اسی جنس مذاہب کا

قلبی حالت سے نا واقفیت پر مبنی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ میں لرزتے اور کانپتے ہوئے اِس میدان میں قدم رکھ رہا ہوں۔ اپنی قوت پر نظر ڈالتا ہوں تو وہ اتنی کم نظر آتی ہے کہ مجھے ہر وقت گر جانے کا خطرہ ہوتا ہے مگر جب یہ یاد آتا ہے کہ اس مختصر سے عرصہ حیات میں کتنے گناہ کر چکا ہوں کتنا زمانہ نافرمانیوں میں گذرا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی کتنی قوتیں محض اپنی خوشی پوری کرنے میں صرف کر ڈالی ہیں اور اب بھی تقویٰ اور عبودیت کا کتنا حقیر سرمایہ میرے پاس ہے تو مجھے اپنی نجات کی کوئی صورت اس کے سوا نظر نہیں آتی کہ کوئی چوٹ خدا کی راہ میں کھاؤں اور اسی چوٹ کا داغ لیے ہوئے اپنے مالک کے دربار میں حاضر ہوں تاکہ شاید اسی کو دیکھ دیکھ کر نظر عنایت ادھر مائل ہو جائے۔ میری حالت اس سٹریل گھوڑے کی سی ہے جس میں بل بوتہ کچھ نہیں ہے مگر پیچھے سخت کوڑا پیٹھ پر پڑنے کا خطرہ جو اُسے لگا ہوا ہے وہ اس کو ایک پُرخطر راستے پر بھاگ کر چلنے کے لیے مجبور کرتا ہے۔ آپ کو میرے جرأت آمیز الفاظ سے یہ گمان گذرتا ہوگا کہ میں اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھ رہا ہوں اور کسی مرتبے کی توقع رکھتا ہوں۔ حالانکہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں صرف اپنے گناہوں کی تلافی کے لیے کر رہا ہوں۔ اور اپنی حقیقت خوب جانتا ہوں بڑے مراتب تو درکنار، اگر صرف سزا سے بچ جاؤں تو یہ بھی میری امیدوں سے بہت زیادہ ہے البتہ میں اپنی اس قلبی کیفیت کا کوئی اثر اپنی تحریروں میں نہیں آنے دیتا اور قصداً جرأت آمیز زبان استعمال کرتا ہوں۔ کیونکہ اس کام کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ اس کے لیے ڈھیلی اور کمزور زبان موزوں نہیں ہو سکتی۔

- - - - - - - - - - -